بی اماںؒ جرأت کا نشاں

ڈاکٹر مسز بشریٰ بیگ
معروف مصنفہ و ریسرچ اسکالر

Dr. Ms Bushra Baig

ABSTRACT:

Mulana Muhammad Ali Juahar's mother was famous by the name of Biamma. When Mulana Muhammad Ali Juahar and his elder brother were arrested, after that Biamma participated in the Khelaphat movment, she practically involved in Tahreek-e-Khelafat. When she felt that her sons acceptance of terms of their freedom was not acceptable by Islam or our country, so she said to her sons I will kill you. During the movement, she delivered speeches against the English Government. Her speeches are very famous in the political leadership. In the death of Biamma all important leaders and news papers published massages of condolence. Biamma's qualities are symbol of following for today's women.

جب دونوں بھائی جیل میں تھے ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ڈی۔ ایس۔ پی عبدالمجید علی برادران سے ایک معاہدہ پر دستخط لینے چھنڈاواڑہ جیل پہنچے ہوئے تھے۔ بی اماں کو جیسے ہی خبر ملی وہ فوراً نقاب ڈال کر اس کمرہ میں پہنچ گئیں جہاں عبدالمجید بیٹھے تھے اور چلا چلا کر کہنے لگیں:

> میں چاہتی ہوں کہ گورنمنٹ جان لے کہ اپنی تکالیف سے بچنے کے لئے وہ (علی برادران) کسی ایسی بات کا اقرار کرلیں گے، جو ان کے مذہبی احکام یا ملکی فوائد کے ذرا بھی خلاف ہو تو مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک میرے قلب کو اتنی مضبوطی اور ان سوکھے جھریاں پڑے ہاتھوں میں اتنی طاقت دے گا کہ میں اسی وقت ان دونوں کا گلا گھونٹ دوں گی۔ گو یہ مجھے عزیز ہیں اور رحیم شحیم دکھائی دیتے ہیں۔(۱)

علی برادران ایسی باکردار، محبِ وطن عظیم ماں کی آغوش میں پروان چڑھے۔ ہمیں تعجب ہوتا اگر مولانا کا حب وطن اور کردار اس کے علاوہ اور کچھ ہوتا۔ مولانا مزید تحریر کرتے ہیں:

> والدمرحوم کی وفات کے دن سے خود گھر کی بوڑھی ماؤں کا سا سادہ اور ستا لباس پہنا اور انہیں کی طرح روکھی سوکھی کھا کر گزاری مگر ہمارا کوئی سوال رد نہیں کیا ہمیں اس عیش و آرام میں رکھا، پالا اور بڑا کیا جو ہمارے ان چچاؤں کی اولاد کے عیش و آرام سے کسی طرح کم نہ تھا مگر کچھ زائد ہی تھا، جو بفضلہٖ تعالیٰ والدمرحوم کی وفات کے وقت زندہ اور سلامت تھے جن کی جائدادوں پر قرضے کا وہ بوجھ نہ تھا جو ہمارے ترکے پر تھا اور جو ریاست رامپور میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے۔ ان سب سے پہلے ہمیں کو گھر سے نکال کر بریلی اسکول میں تعلیم کے لئے والدہ مرحومہ نے بھیجا اور وہ سب تو سکول چھوڑ چھوڑ کر گھر چلے گئے مگر ہماری تعلیم جاری رہی اور شوکت صاحب جس طرح ریاست رامپور کے باشندوں میں سے غالباً

سب سے پہلے کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے گریجوئٹ ہوئے اسی طرح ان میں سب سے پہلے آکسفورڈ کا گریجویٹ میں ہوا۔ میرے سب سے بڑے چچا جو ہماری جائداد کا انتظام فرمایا کرتے تھے اور ریاست میں ایک بہت بڑے عہدے پر ممتاز تھے اس وقت زندہ تھے۔ جب میں ان کے سب سے چھوٹے مرحوم بھائی کا سب سے چھوٹا لڑکا اور ایک بیوہ کا پرورش کردہ اسی ریاست میں ان سے بھی بڑے عہدے پر مقرر کیا گیا تو انہوں نے اس عزاز پر مجھے گلے لگالیا اور پیار کرلیا۔

ریاست ہائے رام پور اور بڑودہ میں اچھے خاصے عہدوں پر ملازمت کرنے اور جو جو خدمتیں تفویض ہوتی رہیں انہیں نیک نامی کے ساتھ بجالانے چند اور ریاستوں میں ان سے بھی اعلیٰ عہدوں کے دیئے جانے مگر بہ مجبوری قبول نہ کرسکنے کے بعد میں نے دنیائے صحافت میں قدم رکھا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس شعبۂ زندگی میں داخل ہوا۔ آج یہ کہنا مشکل ہے کہ ان خدمات کی انجام دہی میں نیک نامی حاصل کی یا بدنامی لیکن غالباً یہ تو آج بھی نہ کہا جائے گا کہ گم نام تہ رہا۔ مسلمانوں کی سب سے پہلی نمائندہ سیاسی انجمن یعنی مسلم لیگ کی ۱۹۰۶ء میں بنیاد ڈالی اور ۱۹۱۷ء میں صدر منتخب ہوا۔ گو قید فرنگ کی بدولت کرسی صدارت پر میری تصویر ''جلوہ افروز'' ہوئی۔ اس عزت افزائی کے باعث اپنی ملت کا آج تک مشکور ہوں۔ مگر میری نظر میں جو اس کی حقیقت تھی وہ اس زمانے کے اس شعر سے واضح ہوتی تھی۔ (۲)

یہ صدر نشینی ہو مبارک تمہیں جوہر ☆ لیکن صلۂ روز جزا اور ہی کچھ ہے

مولانا محمد علی جوہر اپنی زندگی کے پچاس سال کے بارے میں اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں تحریر کرتے ہیں:

جس خالق نے مجھے ۱۵؍ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ (۱۰؍دسمبر ۱۸۷۸ء) کو پید فرمایا تھا اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج بتاریخ ۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کو میں

نے اپنی عمر کے پچاس سال پورے کیے، اس پوری مدت پر نظر ڈالتا ہوں تو عجیب عجیب خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ کو میرے والد نے بعارضہ ہیضہ کوئی تیس بتیس یا اٹھائیس سال کی تھی، انتقال فرمایا والدہ نے سوائے قرآن کریم کے کچھ نہ پڑھا تھا۔ خود اردو کا بین السطور ترجمہ پڑھنے کی استعداد پیدا کرلی تھی۔ والد نے تیس پینتیس ہزار قرضہ چھوڑا تھا اور پانچ لڑکے اور ایک لڑکی جن میں سے سب سے بڑے کی عمر ۱۳ر سال کی تھی، جو تین برس ہی کی عمر سے مرگی کے موذی مرض میں مبتلا رہے، اور سب سے چھوٹا میں خود تھا جس کی عمر اس وقت پونے دو سال کی تھی۔ مجھے اپنے والد مرحوم بالکل یاد نہیں مگر والدہ مرحومہ کو کبھی نہیں بھول سکتا، علاوہ اس فیض گراں مایہ کے جو شوکت صاحب کی محبت نگرانی اور ترغیب وتحریص کی بدولت مجھے نصیب ہوا ہے میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ خداوند کریم نے مجھے اسی مرحومہ کے ذریعے سے پہنچایا ہے۔(۳)

علی برادران کی والدہ ''بی اماں'' نے خواتین کو رضا کارانہ حیثیت سے تحریر خلافت میں شمولیت کے لئے دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

وہ مرد اور عورت جس میں ذرہ برابر ایمان اور خودداری ہے اسے اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی فوج کا سپاہی سمجھنا چاہئے۔ قید خانوں سے خوف نہ کھاؤ، لیکن اسی کے ساتھ اپنی مذہبی اور سوشل زندگیوں کی ذمہ داریوں کو بھی فراموش نہ کرو۔ جذبات کو مشتعل کر کے اپنی گرفتاری کا سبب نہ پیدا کرو، لیکن جب وہ پیش آئے تو اس سے بھاگو بھی نہیں۔ ہمیں قرآن کریم اور شاستر کے احکامات پر پابند رہنا چاہئے، یاد رکھو کہ جب ہمارے کل مرد

جیل خانوں میں چلے جائیں گے تو اس وقت آزادی کے پھریرے
جھنڈے تمہیں لہرانا پڑے گا۔(۴)

بی اماں لاہور کی ایک تقریر میں خطاب کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

میرے بھائیو! جیل سے خوف زدہ نہ ہو، بندوق کی گولیوں سے مقابلہ کرو، موت تو یقینی ہے چاہے وہ بندوق کی گولی سے یا مہلک بیماری سے، اگر گولیوں سے مرے شہیدوں میں شمار کیے جائیں گے، اگر بچ گئے تو مجاہدین میں ہوں گے۔ فتح ہماری یہاں بھی ہے اور وہاں بھی، اللہ ہمارا اور ہمارے بچوں کا محافظ ہے۔(۵)

بی اماں کی اشتعال انگیز تقریروں سے سینٹرل گورنمنٹ اس مخمصے میں پڑ گئی کہ کیسے ایک عمر رسیدہ پردہ نشین خاتون کو جیل میں بند کرے؟

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی ڈائری میں خاتمہ خلافت کی عکاسی اس طرح کرتے ہیں:

۲۴ء میں جس طرح محمد علی صدر کانگریس ہو کر سارے ملک کے سردار منتخب ہوئے، اسی طرح یہ سنہ ان کی زندگی میں عام الحزن یا سال غم کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ بڑے سے بڑے صدمات شاید اسی سال کے لئے اٹھ رہے تھے۔ جوان مدقوق بیٹی نے مارچ میں داغ مفارقت دیا، اور رونے والے باپ کے آنسو ابھی رواں ہی تھے کہ خبر آئی، مصطفیٰ کمال نے ادارۂ خلافت اسلامیہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ محمد علی کے دل ودماغ پر گویا بجلی گر پڑی۔ جس خلافت کے تحفظ کی خاطر برسوں سے اپنے جان ومال کی بازی لگائے ہوئے تھے، جس کی خاطر جیل کی سختیاں اٹھائیں، بے روزگار، بے گھر، بے در ہو کر رہے، تارک الوطن ہونا پڑا، جمع پونجی لٹا کر کھو کھلے ہو گئے، دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا، اس کا انجام، دشمنوں

اور یورپی قوموں کے ہاتھوں نہیں، ایک ترک اور اپنے کو مسلمان کہلانے والے کی ایک جنبش قلم سے دیکھا، محمد علی پر جو کچھ گزری اسے بس عالم الغیب ہی جان سکتا ہے۔ دشمنوں، خصوصاً انگیریزی اخباروں کے طعنے اور زہر خندااصل صدمے پر مستزاد! حیرت اسی پر ہے کہ دیوانگی کی نوبت کیوں نہ آ گئی۔ اپریل میں محبوب وعزیز بھائی مولانا شوکت علی دہلی میں علیل اور سخت علیل ہوئے۔ مہینوں صاحب فراش رہے۔ درمیان میں مایوسی ہوگئی۔ گاندھی جی بھی اسی اثناء میں جیل سے رہا ہو چکے تھے (محمد علی ان کی رہائی کے لئے پورا زور لگا چکے تھے) اور صدر کانگریس کا ان سے بمبئی جا کر فوراً ان سے ملنا، اتنے ذاتی اور قومی حادثوں کے شکار، خلافت کمیٹیوں کا کام بدستور جاری اور کانگریس کے بھی، سارے ملک کے کاروبار کی نگرانی محمد علی کے ذمہ تھی۔ (٦)

بیگم محمد علی کا ایک خط: جس سے مولانا جوہرؒ کی زندگی کے آخری لمحات پر روشنی پڑتی ہے۔

(لندن، ۹ جنوری، ۱۹۳۱ء) پیاری زہرہ! پیار:

میں زندہ ہوں، لیکن مردوں سے بدتر، نہ معلوم میری قسمت میں کیا لکھا ہے کہ اب تک زندہ رہی۔ جنکی دنیا کو ضرورت تھی وہ مجھ کو اور تم کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اسی کا ہر وقت خوف رہتا تھا۔ وہ سامنے آ کر رہا۔ میری ایک بھی درخواست قبول نہیں ہوئی۔ (ہندوستان جانے کے لئے ان کا کہنا تھا) جب پورا کام ہو جائے...... (جاؤں گا)

میری ایک بات نہیں سنتے تھے۔ اس لئے مجبوراً دیکھتی رہتی تھی، جب ۲ / دسمبر کو زیادہ بیمار ہو گئے تھے اور ہوش آ گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ ان سے کہئے کہ ہندوستان جلد چلے جائیں۔ ڈاکٹر مانک نے کہا، آپ کے گردے کام نہیں کر رہے ہیں۔ تمہارا علاج سوائے آرام کے کچھ نہیں ہے۔ آپ آرام کیجئے، اور یہاں کی سردی بھی آپ کے لئے اچھی نہیں ہے،

میں تو آپ کو یہی رائے دیتا ہوں کہ آپ ہندوستان جلد چلے جائیں۔ کہا: اچھا! اگر آپ کی یہی رائے ہے تو میں ۱۶ر کو یا پھر ۲۳ر کو جہاز سے چلا جاؤں گا۔

یکم کو ۸ بجے ایک جگہ جانا تھا، مجھ سے کہا وہاں ضرور جانا، دوسرے روز، میں تم کو اور بھائی جان کو خط لکھ رہی تھی۔ کہا میری بیٹی زہرہ کو لکھ دو، ۲ کو میری بری حالت ہوگئی تھی لیکن بچ گیا۔ آج تھک گیا ہوں (یعنی ۳/۱/۱۹۳۱ء کو) ورنہ خود خط لکھتا۔ میں نے کہا میں نے سب لکھ دیا ہے۔ اسی روز جب میں گئی ہوئی تھی، لکھواتے رہے (یعنی یکم جنوری کو) اس کی غلطی نکالتے رہے۔ رات کو ۱۱ر بجے سو گئے۔ (یکم اور ۲ر جنوری کی درمیانی شب) جس طرح روز اٹھتے تھے دو تین مرتبہ اٹھ کر پیشاب کیا۔

صبح آٹھ بجے اٹھ کر مجھے آواز دی کہ اب اٹھئے۔ میرا منہ دھلوا دیجئے۔ ۳ر جنوری خوب دانت صاف کئے۔ منہ ہاتھ اپنے ہاتھ سے دھویا۔ کافی پیتے رہے، ٹوسٹ کھاتے رہے، میں نے کہا: جس قدر لوگ ہندوستان سے آئے ہیں انہوں نے (ان سب نے) جہاز میں انتظام کرلیا (ہندوستان واپس جانے کے لئے) آپ نے ابھی تک نہیں کرایا ہے تو کہا کہ زاہد آ جائے تو ۱۶ر کے جہاز سے اور ۲۳ر کے جہاز سے انتظام کرتا ہوں۔ زاہد آئے تو ان سے کہا کہ ٹیلیفون کرو۔ ہندوستانی ہوٹل سے مونگ کی کھچڑی منگا کر کھائی، اتنے میں پانچ بج گئے۔ کہا میں تھک گیا ہوں، اب سو جاؤں۔ ۷ بج گئے۔ نرس نبض دیکھنے لگی۔ آواز گلے سے نکلی، آنکھیں کھلی ہوئی اور اٹھنا چاہتے ہیں۔ ہاتھ اٹھایا، میں نے اپنے ہاتھ میں ہاتھ دبایا تو مسکرائے گویا کہ پہچانتا ہوں۔ لیکن زبان نہیں چلتی تھی۔ ۹ بجے دل کے ڈاکٹر نے کہا فالج ہوا ہے۔ ایک ہاتھ ایک پیر بیکار ہے۔ (۴ جنوری ۱۹۳۱ء) کو صبح سوا نو بجے ہم سب کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ (۷)

انا اللّٰہ و انا الیہ راجعون

ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں خواتین نے بھی مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا۔ مولانا محمد علی نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اسے ہمیشہ سے سرداروں اور رؤسا کا قرب حاصل

رہا۔لیکن ان کی والدہ بی اماں (۸) کا خاندان ۱۸۵۷ء کی شورش کے زمانہ سے اس کے برعکس نظر آتا ہے۔اگر عبدالعلی خاں کی شادی کسی ایسے خاندان میں ہوتی جو رؤسا سرداروں یا نوابین کے ماحول کا پروردہ ہوتا تو عین ممکن تھا کہ برادران آزادی کے سپاہی بننے کے بجائے حکومت انگلیشیہ کے وفاداروں میں ہوتے۔

بی اماں کی ولادت ۱۸۵۲ء میں ہوئی، مولانا نے تحریر کیا ہے:

۷ار رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ، ۱۸۸۰ء کو میرے والد نے وفات پائی۔

میری والدہ کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کی تھی۔(۹)

یہی سنہ ولادت خاندانی ڈائری میں بھی موجود ہے۔بی اماں کے اجداد میں محمد درویش علی خاں پنج ہزاری منصب دار، محی الدین خاں دو ہزاری، حکیم علی خاں دو ہزاری منصب دار فرخ سیری شمس الدین خاں ہزاری منصب داری محمد شاہی موجود تھے۔یہ خاندان امروہہ میں ذی حیثیت اور بااقتدار تھا۔

مولوی آلِ حسن نے بی اماں کے اجداد کے بارے میں تحریر کیا ہے:

خان عالیٰ شان محمد درویش علی خاں که از عمده امر او اراکین سلطنت فرخ سیر بادشاه بود و منصب جلیل ورتبه عظیم داشت جوانِ خوب رواجمل احسن روزگارو مطمع الانظار بود. بادشاه بادئی النظر التفات و اختصاص می فرمود از دهلی باامروهه و ردونمود اکثر مردم بسلک منصبدارانِ جلیل القدر منتظم بودند وقار واقتدارمی داشتند، غلام مولانا خاں بن شمس الدین خاں بن درویش علی خاں باوجود کمالِ ثروت واقتدار عجزو انکسار بے حد

داشت.(۱۰)

تاریخ امروہہ کا مصنف اس خاندان کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

درویش علی خاں کا گھرانہ عہد سابق سے معزز اور نامور ہے۔(۱۱)

حافظ احمد علی شوق مصنف تذکرہ کاملان رامپور کے قول کے مطابق:

غدر (جنگ آزادی) ۱۸۵۷ء کے وقت تک دس بارہ ہزار ماہانہ کی آمدنی کے قریب اس خاندان کے بنی عمام میں موجود تھا۔(تھی)(۱۲)

اودھ کے تسلط کے وقت درباروں کی حاضری کے لئے اس خاندان کے افراد نہیں گئے، اس لئے جاگیروں کا کثیر حصہ ضبط ہو گیا اور بقیہ ماندہ ۱۸۵۷ء کی نظر ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کے بعد امروہہ میں بھی اطلاعات آ رہی تھیں، ۱۸۰۱ء میں انگریز فوج کے اخراجات کی غرض سے روہیلکھنڈ کا علاقہ جس میں مراد آباد بھی شامل تھا، کمپنی کو دے دیا گیا۔ ۱۷رمئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ کے ذی حیثیت خاندانوں (دیوانِ سید محمود اور خاندانِ درویش علی خاں) نے درگاہِ حضرت شاہ ولایت علی رحمۃ اللہ علیہ میں ایک میٹنگ (مجلس مشاورت) کی جس میں شہر کے عمائد و اکابرین کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس میٹنگ کا مقصد یہ تھا کہ اگر دہلی اور میرٹھ کی طرح غدر امروہہ میں بھی ہو گیا تو ہم انگریز علم درہم برہم کر دیں گے اور اپنی حکومت قائم کر لیں گے اس سلسلے میں تاریخ امروہہ میں تحریر ہے:

خاندانِ دیوان سید محمود اور خاندانِ درویش علی خاں کے تعداد و رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ کے دوسرے خاندانوں کی بنسبت شانِ امتیاز رکھتے تھے، اور اپنے کو موروثی منصب دار سمجھتے تھے اس لئے شہر کی حکومت کے دعویدار تھے۔(۱۳)

غدر شروع ہوا ۱۹رمئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ ڈالا۔ قیدی آزاد ہو کر سید گلزار علی بن سید اکبر علی ساکن دربار کلاں کے ہمراہ امروہہ پہنچ گئے۔

چنانچہ موروثی منصب داروں کی جمعیت کے ہمراہ ۲۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو تھانہ پر حملہ کیا گیا۔ تھانہ کی عمارت کو آگ لگادی گئی اور تحصیل کا خزانہ لوٹ کر اس پر قبضہ کرلیا گیا۔ اور دیوان سید محمود اور درویش علی خاں کے اہل خاندان نے حکومت قائم کرلی، درویش علی خاں کے خاندان نے دہلی کے معزول شہنشاہ کو عرضداشت بھی روانہ کیں۔ تاریخ امروہہ میں دونوں عرضداشت موجود ہیں۔(۱۴)

محمود احمد الہاشمی العباسی کے قول کے مطابق اس خاندان نے امروہہ میں غدر کے دوران اپنی حکومت قائم کرلی تھی اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلا۔ جب حالات معمولی پر آئے تو بغاوت کو کچلا گیا اور مجاہدین آزادی کو باغیوں کا نام دے کر ان کی گرفتاریاں کی گئیں۔ اس وقت بشارت علی خاں اور ولایت علی خاں بی اماں کے حقیقی چچا کو بھی گرفتار کرلیا گیا اس خاندان کے بعض لوگ یہ کہہ کر نکل گئے کہ اب منہ نہ دکھائیں گے۔ شیخ مظہر علی خاں کے بارے میں تذکرۂ کاملان رامپور (۱۵) کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ روپوش ہوگئے۔ لیکن مولانا محمد علی کے خاندان کی روایت یہ ہے کہ مظفر علی کے دادا) اور مظفر علی (بی اماں کے والد) کے تعلقات بھی ہوگئے (ملاقات)۔ جو بعد میں رشتہ داریوں میں تبدیل ہوئے۔ حافظ احمد علی شوق نے محمد راشد علی خاں ولد مظفر علی خاں کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ رامپور آئے اور یہیں مقیم رہے۔ آپ کی ہمشیرہ کی شادی راقم الحروف کے چھوٹے چچا عبدالعلی خاں مرحوم سے ہوئی، جن کے فرزند شوکت علی خاں بی۔اے اور محمد علی خاں آکسن مالک اخبار کامریڈ اور ہمدرد ہیں۔(۱۶)

بی اماں نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ذی حیثیت ذی علم اور بااقتدار گھرانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انگریز حکومت کا مخالف تھا۔ اور یہ مخالفت کا جذبہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس نے بی اماں کے خاندان کے افراد کو جامِ شہادت پینے کے لئے مجبور کردیا۔ بی اماں کی

عمر ۱۸۵۷ء میں تقریباً پانچ سال تھی ۱۸۵۷ء کے بعد اس خاندان کی جائیدادیں ضبط ہوگئیں۔ اقتدار ختم ہوا۔ آمدنی بیس ہزار سے گر کر ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ رہ گئی، خاندان کی تباہی کے اسباب دیکھے اور بزرگوں سے انگریز کے مظالم کی داستانیں بھی لازماً سنی ہوں گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز سے انہیں نفرت ہوگئی، اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دیکھنے لگیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بچوں کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ محمد علی دو سال کے تھے اور شوکت علی کچھ بڑے۔ اس لئے ان کی ذہنی تعمیر انہوں نے اس طرز پر کی کہ ان دونوں نے انگریز حکومت کے پائے ہلا دئے۔

اس کے برعکس علی بخش خاں (مولانا کے دادا) ۱۸۵۷ء میں اپنے آقا نواب رام پور کے حکم پر انگریزوں کو رسد پہنچا رہے تھے۔

۱۹۱۵ء میں علی برادران نظر بند کر دیے گئے۔ مولانا کی نظر بندی کے دوران آبادی بیگم زوجہ عبدالعلی المعروف بی اماں اُن کے ہمراہ چھندواڑہ میں تھیں۔ اس دوران انہوں نے بعض خطوط تحریر کیے ہیں جو کتابی شکل میں چند اہم خطوط کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ بی اماں لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ ۹ را کتوبر ۱۹۰۹ء کو تحصیل سنبھل ضلع مراد آباد کی جائیداد کی ایک رجسٹری ہوئی ہے اس دستاویز کا اندراج محکمہ رجسٹری مراد آباد کے رجسٹر نمبر ایک جلد نمبر ۱۵ر صفحہ ۸۷، ۱۱۴، ۱۱۸ پر درج کیا گیا ہے۔ اس پر بی اماں کا نشان انگوٹھا ہے، اور اس کی تصدیق مولانا شوکت علی نے کی ہے۔

مولانا محمد علی کے علاوہ ان کے برادران نوازش علی خاں، ذوالفقار علی خاں، بندہ علی خاں، محمد علی شوکت علی اور مولانا محمد علی کی زوجہ امجدی بیگم اور مولانا کی بہن محمدی بیگم کے بھی دستخط ہیں۔ اس لئے یہ جواز انتہائی نحیف ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کے دستخط کے بجائے نشان انگوٹھا ہوتا ہوگا۔ مولانا محمد علی نے بی اماں کی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے:

> میری والدہ نے سوائے قرآن پاک کے کچھ نہ پڑھا تھا۔ خود اردو کا بین السطور ترجمہ پڑھنے کی استعداد پیدا کر لی تھی۔ (۱۷)

اس لئے جو پیغامات یا خطوط بی اماں بیگم عبدالعلی، آبادی بانو بیگم کے نام سے شائع ہوئے ہیں وہ 'بی اماں' نے تحریر نہیں کئے۔ اغلب یہ ہے کہ مولانا محمد علی نے ہی تحریر کئے ہوں گے۔ (نظر بندی کے دوران چھندواڑہ میں علی برادران میونسپل حدود میں آیا جایا کرتے تھے اور ان سے بھی مختلف افراد ملنے کے لئے آیا کرتے تھے) یا بعض ایسے خطوط جو حکومت کو تحریر کئے جاتے تھے انہیں مسٹر گھاٹے تحریر کرتے تھے اس کا ذکر بی اماں کے خطوط میں ملتا ہے۔ (۱۸) بی اماں اخبارات بھی دوسروں سے پڑھوا کر سنتی تھیں۔ انہوں نے لکھا ہے (لکھوایا ہے):

میں تمام اردو اخبارات پابندی کے ساتھ پڑھواتی ہوں۔ اور اکثر انگریزی اخبارات کا بھی خلاصہ کروا کر سنتی ہوں۔

چند اہم خطوط، اصل میں انگریزی میں تحریر کئے گئے تھے اور یہ اردو ترجمہ کی شکل میں شائع ہوئے، بی اماں انگریزی سے بالکل ناواقف تھیں۔ اس لئے اغلب ہے یہ خطوط مسٹر گھاٹے قانونی مشیر اور بعض مولانا محمد علی نے تحریر کئے ہوں، بعض خطوط بہت طویل ہیں اور طرز تحریر مولانا محمد علی کی طرح ہے، خطوط میں طول نویسی بھی ہے اور جملوں کی ساخت محمد علی کے جملوں کی طرح ہے۔

ان خطوط میں ترکی کی حمایت کو مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ ۱۱/دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیگم عبدالعلی کو بی اماں کی طرف سے ایک خط لکھا گیا ہے گو کہ خط قانونی مشیر کی مدد سے لکھوایا گیا ہے۔ لیکن اس کے جملوں کی ساخت اور نفس مضمون یہ بتاتا ہے کہ اس میں مولانا محمد علی کی رائے اور ترتیب مضمون شامل ہے۔

اس خط میں تحریر ہے:

اس وقت تک کوئی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں ہے۔ جب تک وہ مسلمانان ترکی کے ساتھ اسی آزادانہ ہمدردی کے تبلیغ و اظہار میں کوشاں نہ ہو جس آزادی کے ساتھ وہ مسلمانان ایران، ہندوستان و عربستان سے ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ سلطان ترکی کی ایک خاص حالت ہے، بحیثیت ایک دنیاوی حکومت کے وہ عالم کے ایک خطے پر جو ترکی کے نام سے موسوم

ہے سلطان اسی طور سے حکمراں ہیں جس طریقے سے شاہ کج کلاہ زمین فارس پر یا امیر افغانستان پر حکومت کرتے ہیں۔ سلطان ٹرکی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، وہ امتیاز کیا ہے، خلافت کا زیب تن کرنا ہے۔(۱۹)

عبدالعلی خاں اور بی اماں کی شادی کے بعد بی اماں کے خاندان کی کئی لڑکیوں کی شادی بھی علی بخش خاں کے خاندان میں ہوئیں۔ چنانچہ امتیاز علی تحصیلدار (۲۰) کی زوجہ جو عرف عام میں ننھی بیگم کہلاتی تھیں۔ بی اماں کے خاندان سے تھیں غالباً یہی وجہ تھی کہ شوہر کے انتقال کے بعد جب بچوں کی پرورش کی پوری ذمہ داری بی اماں پر آ گئی تو ان کے روابط اور آنا جانا زیادہ تر ان گھرانوں میں تھا جو قلعہ پرستی اور نواب رامپور کے ان عہدہ داروں میں نہ تھے جو نواب رامپور کی ذات سے متعلق محکموں میں ملازم تھے۔

مولانا کو ۱۹۱۵ء میں رامپور میں نظر بند کیا گیا اور بوجہ علالت انہیں گھر پر رہنے کی اجازت ملی تو انکا قیام امتیاز علی مرحوم کے گھر رہا جن کی شریک حیات ننھی بیگم تھیں۔ مولانا کے اس عمل میں بی اماں کی وہ تربیت پوری طرح نظر آتی ہے جو انہوں نے مولانا محمد علی کی تھی۔

انگریز دشمنی کا جذبہ علی برادران کو بی اماں سے وراثت میں ملا تھا اور وہ اس جذبہ کے امین، ضامن اور وارث تھے۔

مولانا محمد علی نے لکھا ہے:

ہماری والدہ نے دوسرے کی مدد کے بغیر ہماری تربیت کی۔(۲۱)

والد کے انتقال کے بعد مولانا کے ایک چچا جوان کی جائداد کا کام دیکھا کرتے تھے ان کے حسن سلوک کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

> جب دو بھائیوں میں سے چھوٹے یعنی شوکت کو (والدہ نے) انگریزی تعلیم دلوانے کا ارادہ کیا تو وہ چچا جو ہماری جائداد کا انتظام دیکھتے تھے ان کی تعلیم کے مصارف انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔(۲۲)

جب اس بیوہ کے حصہ کا روپیہ مولانا کے چچا نے نہیں دیا تو بی اماں کو مجبوراً اپنا زیور رہن رکھوانا پڑا اور اس روپیہ سے مولانا شوکت علی کو جو اس سے پہلے سے (بریلی میں) ذوالفقار علی پڑھ رہے تھے، بغرض تعلیم روانہ کیا۔

مولانا نے بھی تحریر کیا ہے:

میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ خداوند کریم نے اس مرحوم کے ذریعہ پہنچایا تھا۔ (۲۳)

علی برادران کی تعلیم اور تربیت کے بعد بھی بی اماں کا مقصد حیات پورا نہیں ہوا تھا اس لئے کہ انگریز کی جابر اور ناانصاف حکومت ہندوستان میں نقطۂ عروج پر تھی۔ چنانچہ علی برادران کی نظر بندی کے زمانہ میں بی اماں زیادہ تر ان کے ہمراہ رہیں۔ بی اماں نے اپنے خط میں سبرامنیم آئر کو لکھوایا ہے:

پہلے دن سے میں ان کی جبریہ جلاوطنی میں شریک ہوں اور ایسا کرنے پر کبھی نہیں پچھتائی۔ یہ عزت انہیں لوگوں کے لئے ہے جن کو خداوند تعالیٰ مذہب اور ملک کی خاطر تکالیف و مصائب برداشت کرنے اور جان دینے کے لئے منتخب کرتا ہے۔ (۲۴)

علی برادران کی نظر بندی کے دوران ہی ۷/ستمبر ۱۹۱۷ء کو عبدالمجید ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی چارلیس کلولینڈ ڈائریکٹر محکمہ خبر رسانی کے حکم پر علی برادران کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے ایک معاہدہ پیش کیا اور کہا کہ اگر آپ اس پر دستخط کر دیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔

معاہدہ

میں بقیہ ایام جنگ میں کوئی ایسا کام کرنے، ایسی تحریر لکھنے یا ایسی بات کہنے سے معترض رہوں گا، جس سے حضور شاہ قیصر کے دشمنوں کی ہمت افزائی یا امداد مقصود ہو یا معقول طور سے اس کا احتمال ہو۔ میں کوئی ایسا کام

کرنے ایسی تحریر لکھنے یا ایسی بات کہنے سے بھی معترض رہوں گا جس سے
حضور شاہ قیصر کے حریفوں پر حملہ کرنا مقصود ہو یا معقول طور سے اس کے
یہ معنی لگانے کا احتمال ہو۔(۲۵)

اس معاہدہ کے بارے میں لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ شرائط نامہ کا جواب تحریر کریں کہ بی اماں کو اس مشروط رہائی کی اطلاع ملی وہ فوری طور پر برقعہ پہن کر اس کمرہ میں آ گئیں جہاں عبدالمجید بیٹھے تھے،اور انہوں نے عبدالمجید کو مخاطب کر کے کہا:

میں چاہتی ہوں کہ گورنمنٹ یہ جان لے کر اپنی تکالیف سے بچنے کے لئے
وہ (علی برادران) کسی ایسی بات کا اقرار کرلیں گے جو ان کے مذہبی
احکام یا ملکی فوائد کے ذرا بھی خلاف ہو تو مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک
میرے قلب کو اتنی مضبوطی اور ان سوکھے چھریاں پڑے ہاتھوں میں اتنی
طاقت دیگا کہ میں اسی وقت ان دونوں کا گلا گھونٹ دوں گی۔ گو یہ مجھے
عزیز ہیں اور لحیم وشحیم دکھائی دیتے ہیں۔(۲۶)

بی اماں نے معاہدہ کا مضمون سن کر مندرجہ بالا جواب جو عبدالمجید کو دیا اس کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق، یقین اور اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ خلافت کے زمانے میں جو منظومات گائی جاتی تھیں، وہ بی اماں کے جذبات وعمل کی ترجمانی کرتی ہیں۔

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دیدو

کا گیت بی اماں کے صحیح جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے قوم وملت کی خدمت کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کی اور اس تربیت کی تکمیل کے بعد بھی ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ استاذ کی طرح ایسے موقعوں پر ہمیشہ علی برادران کے ہمراہ رہیں جہاں پیر لڑکھڑانے یا لغزش کر جانے کا معمولی سا شائبہ بھی ہوسکتا تھا۔

بی اماں کے مذکورہ بیان سے ان کے حوصلہ، جرأت اور بے خوف وخطر آتش نمرود میں

کود پڑنے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ضعیفی میں بھی ان کے عزم اور حوصلہ کا یہ انداز تھا کہ جب ہوم رول لیگ لوک مانیہ تلک نے قائم کی تو انہوں نے اپنی بہو اور دیگر ممبران کے ہمراہ اس کا حلف لے لیا اور سر سبرامنی آئر پریذیڈنٹ ہوم رول کو ایک طویل خط لکھا یہ خط انہوں نے مسز اینی بیسنٹ کی نظر بندی کے سلسلے میں صدائے احتجاج بلند کرنے والے جلسے میں پڑھ کر سنایا تھا اس خط کے تحریر کرانے سے قبل بی اماں اینی بیسنٹ سے نہیں ملیں۔ صرف علی برادران سے خط و کتابت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بی اماں اپنے عقیدہ اور نظریات و گفتار سے ہی سیاست میں حصہ نہیں لیتی رہیں بلکہ انہوں نے اپنے عقائد کا با آواز بلند اعلان کیا ان کا کہنا تھا:

> اس زمانے میں محض عقائد ہی کافی نہیں اب تو اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے عقائد کا با آواز بلند اعلان کرے۔ (۲۷)

بی اماں نے مولانا کی سزایابی کے زمانہ میں پورے ہندوستان کے دورہ کئے اور چندہ جمع کر کے مولانا محمد علی جوہر کی تحریک کو فعال و متحرک رکھا۔ مولانا نے تحریر کیا ہے:

> ہمارے جیل میں داخل ہوتے ہی ہم پر باہر کی دنیا کا دروازہ بند ہو گیا۔ تو میری ماں نے ایک ہاتھ میں تسبیح کو اور دوسرے ہاتھ میں عصائے پیری کو لیا اور نقاب الٹ کر وہی کام کرنا شروع کیا جو ہم کیا کرتے تھے۔ مگر جسے حکومت نے سخت خطرناک سمجھ کر ہمیں جیل میں ڈال کر ہم سے جان چھڑالی تھی۔ میری والدہ اور میری بیوی نے تقریباً چالیس پینتالیس لاکھ روپیہ وصول کیا۔ (۲۸)

اس پیرانہ سالی کے باوجود بی اماں ہندوستان کا دورہ کرتی رہیں۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں ان کی طبیعت میرٹھ میں خراب ہو گئی۔ اس سے قبل وہ پولیٹیکل کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سندھ گئی تھیں۔ واپسی میں انہیں میرٹھ میں آمنہ بیگم (مولانا کی صاحبزادی کی علالت کا تار ملا جس کی وجہ سے علی گڑھ پہنچیں اور دیر تک صحن میں بیٹھی رہیں۔ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئیں۔ انہیں

بغرض علاج دہلی لایا گیا۔اس کے بعد ان کی خواہش پر انہیں رامپور لایا گیا۔مولانا نے تحریر کیا ہے:

دہاں جا کر طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہم لوگ فوراً رامپور گئے۔مگر کئی دن تک بوجہ امتناعی احکام رامپور میں داخل نہ ہو سکے اور اسٹیشن پر ہی پڑے رہے۔ بی اماں کو جب معلوم ہوا کہ میرے بچے مجھ سے اور میں بچوں سے نہیں مل سکتی تو وہ اسی حالت میں اسٹیشن پر چلی آئیں اور اصرار کیا کہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔مجبوراً ان کو دلی لانا پڑا۔ بی اماں کی اب یہ خواہش باقی ہے کہ سوراج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کی موجودہ حالت نے بھی ان کی صحت پر بہت برا اثر کیا۔(۲۹)

لیکن افسوس کہ بی اماں کی یہ آرزو ان کی حیات میں پوری نہ ہو سکی ۱۲/اور ۱۳/نومبر ۱۹۲۴ء کی درمیانی شب میں بی اماں کا انتقال دہلی میں ہوا۔موصوفہ حضرت شاہ ولی النبی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں جو حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے خلیفہ تھے۔بی اماں کو شاہ ابوالخیر صاحب (دہلی کے احاطہ میں مشرقی دروازہ کے باہر مزار کے برابر برآمدہ میں دفن کیا گیا۔ پہلے قبر پر کتبہ بھی تھا لیکن برآمدہ کی زمین کو غالباً یکساں کرانے کی غرض سے کتبہ اور تکیہ الگ کر دیا گیا ہے اب موزائک کا فرش ہے اور برآمدہ میں قبر کا نشان باقی ہے۔بی اماں کی وفات پر ملک کے گوشہ گوشہ سے پیغامات آئے جو ۸/نومبر ۱۹۲۴ء کے ہمدرد میں شائع ہوئے ہیں۔

بی اماں کا ماتم

تعزیت کے پیغام

۱۴/نومبر ۱۹۲۴ء، بی اماں جو ہند ''محترم فرزندوں کی محترم ماں تھیں'' انتقال کی خبر ابھی سنی، پیام تعزیت قبول کیجئے۔تلسی چندر گوسوائی کلکتہ۔

میرا خلوص آمیز پیام تعزیت قبول فرمائے،سی۔آر۔داس،کلکتہ۔

بی اماں کے انتقال کی خبر سے صدمہ ہوا۔ وہ آپ کی اور ہماری سب کی ماں تھیں۔ ''ہندو مسلم'' اتحاد کی سچے طور سے حامی تھیں۔ پروفیسر، روچی رام ساہنی، لاہور۔

آپ کے رنج وغم سے اور ملک کے نقصان عظیم سے مجھے بھی صدمہ ہے اور آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ مسٹر و مسز دیپ نرائن بھاگلپور۔

میرا دلی پیام تعزیت قبول ہو۔ خدا مرحومہ کی مغفرت کرے۔ محمد اورنگ زیب خاں پشاور۔

آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ والدہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ غازی محمود۔ لودہیانہ۔ (۳۰)

آہ بی ماں

کیوں نہوں پھر فرط غم سے ہند والے بیقرار
حلقہ احرار میں ماتم نہ کیوں ہو آشکار

غم کی اک بجلی گری دل پر سنی جس دم خبر
ہوگئے مبہوت پایا جس گھڑی دی کا تار

اپنے سر سے آج بی اماں کا سایہ اُٹھ گیا
آج بی اماں سے خالی ہوگیا اپنا دیار

کیا لکھیں شوکت محمد کو بتاؤ دو ستو
کس طرح تسکین دیں انکو جو خود ہوں سوگوار

وہ ارادے وہ ہمت اور وہ قومی معرکے
یاد آتی ہیں وہ بی اماں کی باتیں بار بار

دیکھ کر آزاد ان کو چین سے سوتی ہیں اب
قید تھے بیٹے تو تھیں ان کی جگہ مصروفِ کار

ہے یہی اپنی دعا تم بھی قمر آمین کہو
جنت الفردوس بی اماں کی ہو جائے قرار

ان کی تربت پر سدا ہو رحمت حق کا وفور
تا قیامت ہو جہاں میں ان کی باقی یادگار

ہم سب کی طرف سے دلی ہمدردی کا پیام قبول کیجئے۔ محترم مرحومہ کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے ''نہرو'' الہ آباد۔

انتقال کی خبر سے سخت صدمہ ہوا۔ اس پر الم غم میں ہماری طرف سے پیامِ تعزیت قبول کیجئے۔ شنکر لال (بینکر) (۳۱)

والد صاحب کو مجھے اور میرے بھائیوں کو بی اماں کے انتقال پر بڑا رنج ہوا، ہم سب ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا مرحومہ کو بہشت نصیب کرے۔

احمد حاجی صدیق، کھتری، بمبئی

مجھے اور میرے تمام خاندان کو آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔

خلافت پریس اور عملہ آپ کے غم و اندوہ میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، اور مرحومہ کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ خلافت پریس۔ بمبئی

بی اماں کے ماتم میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ اللہ ہم سب کو صبر کی توفیق دے۔

ڈاکٹر کچلو، مولانا ظفر علی خاں، لاہور

بی اماں کے انتقال سے صدمہ ہوا۔ پیام ہمدردی قبول کیجئے۔

شیخ صادق حسین، امرتسر۔

بی اماں کے انتقال پر بڑا رنج ہوا۔ خدا مرحومہ کو بخش دے، خط ارسال ہے۔

اعظم خاں صدیقی، ھنڈواڑہ۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اساتذہ وطلباء نے جلسہ منعقد کیا اور وہ سب بی اماں محترمہ کے نتقال پر ملال پر اظہار رنج و غم کرتے ہیں اور مرحومہ کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ برادرانہ پیام

وہمدردی قبول فرمایئے۔ شیخ الجامعہ۔علی گڑھ۔

دفتر خلافت کے ملازمین دلی ہمدردی کا اظہار رتے ہیں، اور مرحومہ کی مغفرت کے لیئے دعا کرتے ہیں۔ خلافت، بمبئی۔

انتقال کی خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ خدا مرحومہ کو بہشت نصیب کرے۔ میں فوراً آرہا ہوں۔ معظم علی مراد آباد۔

آپ کے اپنے اس غم میں اور متحدہ ہندوستان کے اس نا قابل تلافی نقصان میں میرا دلی پیام ہمدردی براہ عنایت قبول کیجئے۔ علی گل خاں۔پشاور۔

بی اماں کے انتقال پر ملال کی خبر ابھی پڑھی مجھے آپ کے ساتھ نہایت ہمدردی ہے۔
فضل بھائی کریم بھائی۔بمبئی۔

تمام ہندوستان اس ماں کے انتقال کے غم میں شریک ہے جس نے دو بہادر بچے پیدا کیئے وہ ہمارے دلوں کے ابھارنے کا ذریعہ تھیں۔ میں بلگام کی طرف سے تعزیت کا اظہار کرتا ہوں۔ گنگادھر راؤ وشپانڈے۔بلگام۔

آپ کے اس غم میں شریک ہوں، دلی ہمدردی قبول ہو۔ قاسم حسن، اورنگ آباد۔

بی اماں کے انتقال کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ یہ نقصان سارے ہندوستان کا ہے۔تعزیت کا پیام بقول کیجئے۔ اے رنگاسوامی آینگر۔مدراس۔

بی اماں کے انتقال پر خلوص آمیز ہمدردی اور تعزیت قبول کیجئے۔ موتی لال نہرو۔الہ آباد۔

بی اماں کے کے انتقال پر بڑا افسوس ہوا۔ خدا آپ کو اس غم کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرمادے اور مرحومہ کو مغفرت نصیب کرے۔ جسونت پرشاد ڈیسائی، بمبئی۔

دلی ہمدردی قبول فرمائے نا قابل تلافی نقصان ہوا ہے، پروردگار عالم آپ کو اور مولانا محمد علی صاحب کو صبر عطا فرمائے۔ عابد، بھیکم پور، علیگڑھ۔

بی اماں کے انتقال پر مین آپ کے اس رنج و غم میں شریک ہیں۔ایک بڑی ذات تھی

جو ہم سے جدا ہوگئی۔ عامر مصطفیٰ خاں معین، علی گڑھ

انتقال کی الم انگیز خبر اخبارات میں پڑھی۔ میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔ خدا آپ دونوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین مسز و مسٹر حسین۔ بمبئی

بی اماں کے انتقال کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ براہ عنایت دلی ہمدردی قبول ہو۔ شعیب قریشی بمبئی

افسوس ہے کہ یہ پیام ہمدردی پیش کرنے کی نوبت آئی۔ آپ کے اس رنج واندوہ میں تمام اسلامی ہند شریک ہیں۔ سید لال بادشاہ۔ پشاور

آپ کے خاندان اور ہندوستان کے ناقابل تلافی نقصان پر میں ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ میری محبت کرنے والی اماں کا بھی ابھی انتقال ہوا ہے، امید ہے کہ محمد اس نئے صدمہ کو بہادری سے برداشت کریں گے۔ خدا ہم سب کی مدد کرے۔ ڈاکٹر سید محمود، چھپرا

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے عملے کی طرف سے مودبانہ اور خلوص آمیز ہمدردی قبول فرمائے۔ رگھوپتی سہارے وراجہ رام۔ الہ آباد

بی اماں کے انتقال سے بڑا رنج ہوا۔ ان کا انتقال عظیم قومی نقصان ہے۔ اللہ اکبر۔

سری نواس۔ آئنگر۔ مدراس

بی اماں کے انتقال پر ملال پر دلی ہمدردی قبول کیجئے۔ عمر بھائی، حامد بھائی، بمبئی

بی اماں کا انتقال نہایت رنج کا باعث ہوا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ وکیل احمد، رائپور

آپ کے قابل احترام ماں کی پرالم خبر موت سن کر افسوس ہوا۔ خدا ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یشیو پرشاد گپتا۔ بنارس

محترم بی اماں کے انتقال پر بڑا صدمہ ہوا۔ آپ کے اس رنج وغم میں مجھے آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ آپ اتنی زبردست ارادی قوت وقومی کاموں کے ساتھ انتہائی لگاؤ رکھنے والی خاتون کا بدل ملنا ناممکن ہے۔ سیٹھ جمال محمد، مدراس

آپ کے اس پرالم غم میں مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے بی اماں کے انتقال سے ایک

قومی و اسلامی نقصان ہوا ہے۔ خدا ان کی قربانیوں اور ان کی اعلیٰ خدمات کو خدا کے لئے سچے کام کرنے والوں کے لئے ہمیشہ جوش اور ہمت دلانے کا باعث بنائے۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ارون، کراچی

بی اماں کے انتقال کی خبر اسلام کے اس نازک موقعہ پر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیے یہ صدمہ نہ صرف آپ کے اوپر پڑا ہے بلکہ اس میں تمام فرزند ان اسلام شریک ہیں بعد نماز غائبانہ ادا کی گئی اور مغفرت کے لئے دعا مانگی گئی۔

تھمبی سا۔ کریکال

ام الاحرار کے انتقال پر تعزیت قبول ہو۔ یہاں تمام مساجد میں مغفرت کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن، لدھیانہ

آپ اور آپ کے برادر معظم آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال پر میرا پیام تعزیت قبول فرمائیں۔ مسٹر سی وائی چنتامنی، ایڈیٹر لیڈر الہ آباد سابق وزیر گورنمنٹ (صوبہ متحدہ) (۳۲)

اخبارات کی طرف سے تعزیت

ہم مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب کی خدمت میں جو انہیں ان کی والدہ محترمہ کے انتقال پر جنہوں نے تحریک خلافت کے لئے انتھک کوشش کی اور جو بہتوں کے لئے اس تحریک میں شریک کار تھے ہمت دلانے کا باعث ہوئی تھیں۔ ان کے رنج و غم میں تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ لیڈر، الہ آباد

مولانا علی اور مولانا شوکت علی کی قابلیت والوالعزمی اور جاں نثاری کے کارناموں سے دنیا حیران تھی، لیکن اس کا راز اس وقت عالم آشکار ہوا۔ جب وہ نظر بند تھے۔

اپنے جلیل القدر فرزندوں کی نظر بندی کے زمانہ میں آپ ملکی و قومی خدمت میں مصروف ہوگئی تھیں۔

اسیران کراچی کی رہائی کے بعد اس الوالعزم خاتون نے اپنے بہادر فرزندوں کی

معیت میں نہ صرف ہندوستان بھر کا دورہ کیا بلکہ لنکا کی دور دراز سرزمین میں بھی آزادی وحب الوطنی کی تبلیغ واشاعت کے لئے سفر کی صعوبت برداشت کی۔

ام الاحرار کی وفات سے نہ صرف علی برادران اور ایک شفیق ماں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے ہیں، بلکہ اس سے ہندوستان کی تحریک آزادی کو نا قابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔انہوں نے ہندوستانی خواتین اور خصوصاً مسلمان مستورات میں جو ملکی وقومی معاملات سے قطعاً بے بہرہ تھیں۔ بیداری کا نتیجہ خیز احساس پیدا کر دیا ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لئے ان کی غیر فانی یادگار قائم رکھے گا۔

حق یہ ہے کہ ایسی الوالعزم حب وطن حامی صداقت سرفروش اور جانباز خواتین زمانہ ہمیشہ پیدا نہیں کرتا، اور ہندوستان اس نیک نہاد خاتون کا مدت العمر تک ماتم قائم رکھے گا۔

تنظیم، امرتسر

یہ خبر ہندوستان کے طول وعرض میں انتہائی تحسر وتالم سے سنی جائیگی کہ مولانا شوکت ومولانا محمد علی کی والدہ محترمہ نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

محترمہ مرحومہ نے اگرچہ تقریباً عمر طبعی تک پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ موجودہ ہندوستان کے عالم نسواں میں ایسی مردانہ سرشت اور حساس طبع خاتون چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی، بہر کیف دنیا گذشتنی ہے کوئی ہزار سال بھی جئے تاہم موت ناگزیر ہے۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید ☆ ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

وکیل، امرت سر

بی اماں کے انتقال پر ہمارے ہندوستان میں نہایت رنج محسوس کیا جائے گا۔ان کی حب الوطنی، اسلام سے محبت اور اعتقاد کی پختگی نہ صرف ان کے لڑکوں کے لئے جن کو انہوں نے تعلیم دی تھی، بلکہ دوسروں میں بھی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان جوش وہمت کے پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ یہ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنی حیات میں سوراج حاصل کرلیں جس کے لئے انہوں نے

حکومت کی زیادتیوں کا ہمیشہ مقابلہ کیا اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں، بہر حال انہوں نے اپنے بعد ایک ایسی مثال چھوڑی ہے جو ہندوستانی خواتین اور خصوصاً آزادی ہند کے لئے کارآمد ہوگی۔(۳۳)

حواشیہ وحوالہ جات

۱۔ جعفری، رئیس احمد، چند اہم خطوط، ادارہ اشاعت اردو، حیدر آباد دکن انڈیا، ص ۱۷

۲۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر، ۲۰۰۷ء، ص ۸۳

۳۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر، ص ۸۱

۴۔ اختر النسا محمد توفیق، تحریک خلافت اور اردو، اردو رائٹرز گلڈ بمبئی، ۲۰۰۵ء، ص ۸۰

5- The Pioneer December 29, 1924 see also Ibid. Shan Muhammad p.254.

۶۔ عبدالماجد دریابادی، محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق، حصہ اول، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۴۷

۷۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی اور جنگ آزادی، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۴۵

۸۔ بی اماں کا نام آبادی بانوں بیگم تھا۔ ان کی اولادیں انہیں بہو کہتی تھیں، اس سلسلے میں مولانا شوکت علی نے لکھا ہے:

> بی اماں! جن کو ہم سب بچے 'بہو' کہتے تھے۔ اس وجہ سے کہ چونکہ ہمارے دادا کی سب سے چھوٹی بہو تھیں۔ سب بہو بہو کہہ کر پکارتے تھے، اور ہم بھی بہو ہی کہتے تھے۔ 'بی اماں' کا نام 'بی اماں' میرے بیٹوں اور خلافت کے کام کرنے والوں نے رکھا تھا۔ یہ نام حامیان خلافت اور عام

مسلمانوں کی خواہش کے مطابق رکھا کہ انہوں نے ان کو اماں بنایا۔ (جامعہ مولانا محمد علی نمبر حصہ دوئم، جنوری و فروری، ۱۹۸۰ء بحوالہ: روز نامہ خلافت مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۶۷ء آپ بیتی، از محمد علی

۹۔ روز نامہ ہمدرد، ۱۷ر جون ۱۹۲۷ء آپ بیتی، از محمد علی،

۱۰۔ نخبۃ التواریخ، مولانا سید آل حسن صاحب عمدۃ الطابع، امروہہ، ۱۸۸۰ء، ص ۱۱۳

۱۱۔ العباسی، محمد احمد الہاشمی العباسی، تاریخ امروہہ، ص ۶۴، تجلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، یکم اپریل ۱۹۳۰ء

۱۲۔ شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رام پور، ہمدرد پریس، مارچ ۱۹۲۹ء، ص ۱۳۱

۱۳۔ العباسی، محمد احمد الہاشمی، تاریخ امروہہ، ص ۶۵، یکم اپریل ۱۹۳۰ء

۱۴۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہرؒ، ص ۱۲۱

۱۵۔ شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رام پور، ص ۱۳۱، ۱۹۲۹ء

☆ راوی خاتون بیگم بنت امتیاز علی، خاتون بیگم، متوفی ۲۷، رجب ۱۲۹۵ھ، ۷ر اگست ۱۹۷۵ء، کراچی

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۷۔ ہمدرد، ۱۷ر جون ۱۹۲۷ء

۱۸۔ بی اماں کے خطوط میں تحریر ہے:

ہمارے قانونی مشیر مسٹر گھاٹے جو ازراہِ شفقت ہماری خط و کتابت کا فرض انجام دیتے ہیں۔ چند اہم خطوط: انجمن اعانت نظر بندان اسلام بتاریخ ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۷ء، ص ۵، پہلا ایڈیشن، بنام مسز بیسنٹ،

بی اماں کے خط میں تحریر ہے: یہ خط میں نے مسٹر گھاٹے کی مدد سے لکھا ہے، ایضاً، ص ۳۷

۱۹۔ چند اہم خطوط، ص ۲۷، انجمن نظر بندان اسلام، دہلی پہلا ایڈیشن

۲۰۔ مولانا محمد علی کے چچازاد بھائی

۲۱۔ ماہنامہ جامعہ مولانا محمد علی نمبر حصہ اول، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳، مولانا کی آپ بیتی،

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ہمدرد: ۱۷: جون ۱۹۲۷ء

۲۴۔ چند اہم خطوط: ص ۶۹

۲۵۔ ایضاً: ص ۱۵۔۱۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۸

۲۸۔ ہمدرد: یکم دسمبر ۱۹۲۶ء، مضامین محمد علی: محمد سرور، مکتبہ جامعہ، دہلی، ص ۸۳

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۲

۳۱۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۲

۳۲۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷

۳۳۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹